نقد و تحقیق

اکرام اللہ ساجد

ناقدِ صحیح بخاری، مولانا امین احسن اصلاحی کا طریقۂ واردات

"حرمین" کے گزشتہ شمارہ میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے بارے ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ موصوف ایک مدت سے اپنی نگارشات میں امام بخاری علیہ الرحمۃ اور صحیح بخاری کو ہدفِ تنقید بنائے ہوئے ہیں --- مولانا جو کچھ کررہے ہیں، اس کے نتائج و عواقب کی سنگینی کا انہیں احساس نہیں، لیکن ہماری نظر میں یہ صورتحال انتہائی پریشان کن ہے ----- سوچئے کہ اگر "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" صحیح بخاری پر سے ہی امتِ مسلمہ کا اعتماد اٹھ جائے تو دیگر کتبِ حدیث کیونکر قابلِ اعتبار ٹھہریں گی؟ نتیجتۃً پورا ذخیرہ حدیث ہی مشکوک ہوکر کتاب و سنت میں سے صرف کتاب یعنی قرآنِ مجید باقی رہ جائے گا--- پھر چونکہ قرآنِ مجید بھی اطاعتِ رسول ﷺ کا زبردست داعی ہے، جس کا واحد ذریعہ آج حدیثِ رسول ﷺ ہے، لہٰذا حدیث کے مشکوک ہونے سے قرآنِ مجید کی حقانیت پر بھی زد پڑتی ہے اور یوں دین کی پوری عمارت ہی ہل کر رہ جاتی ہے ---- اسی لئے حق کی حمایت میں حصہ بقدرِ جثہ لیتے ہوئے "حرمین" کے سنت و حدیث کے صفحات میں جہاں ہم نے حدیثِ رسول ﷺ کی حجیت پر آیاتِ قرآنی سے استدلال کا سلسلہ شروع کیا، وہاں مولانا عبدالرحمٰن چیمہ (حفظہ اللہ تعالیٰ) کو بھی توجہ دلائی کہ وہ اصلاحی صاحب کی دلآزار تحریروں کا نوٹس لیں ---- بحمد اللہ ہماری یہ درخواست رائیگاں نہیں گئی، چیمہ صاحب کا مضمون تو عنقریب انشاء اللہ شائع ہوگا ہی، البتہ اس کے ابتدائیہ کے طور پر زیرِ نظر چند گزارشات ہماری طرف سے بھی

پیشِ خدمت ہیں، ہمیں امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے جہاں قارئینِ حرمین کو مولانا اصلاحی صاحب کے طرزِ فکر سے آگاہی ملے گی، وہاں خود مولانا کو بھی حدیثِ رسول ﷺ کے بارے اپنے رویہ کا احساس ہو سکے گا۔

آگے چلنے سے پیشتر یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک عالِم دین ہونے کے ناطے مولانا اصلاحی صاحب ہمارے لئے قابلِ احترام بزرگ ہیں، تاہم ان کی ذات حدیثِ رسول ﷺ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر یقیناً محترم نہیں ---- انہوں نے اپنے رسالہ "تدبر" میں "تدبّرِ حدیث" کے عنوان کے تحت صحیح بخاری کی جتنی حدیثیں درج کی ہیں، ان میں سے اکثر کے بارے جلی کٹی سنائی، الفاظ کے تیر و نشتر آزمائے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر نقد کرتے ہوئے جا بجا ان کے چٹکیاں لی ہیں ---- لہٰذا جواباً، اگر مولانا ہمارے الفاظ میں بھی کچھ تیزی محسوس کریں، تو اسے حدیثِ رسول ﷺ اور خادمِ حدیثِ رسول ﷺ سے عقیدت و محبت اور جذباتی وابستگی کا اظہار ہی سمجھیں، اپنی شان میں گستاخی نہیں! --- ویسے بھی حدیثِ رسول ﷺ پر حملہ آور ہونے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسی جلیل القدر شخصیت کی تحقیر و استخفاف کے باوجود عزت و احترام کی تلاش گویا سراب کے پیچھے دوڑنا ہے ---- ہاں اگر مولانا اپنا رویہ درست کر لیں تو ہمیں بھی اپنا ادنیٰ خادم پائیں گے!

قارئینِ کرام!

ہم حیران تھے کہ صحیح بخاری، جس پر پوری امت صدیوں سے اعتماد کئے بیٹھی ہے، مولانا اصلاحی صاحب نے اس میں ڈھیر ساری غلطیوں کی نشاندہی کیسے کر دی ہے؟ اسی سوال نے ہمیں ان کی تحریروں کے بہ نظرِ غائر مطالعہ پر مجبور کیا، اور بالآخر ان کا طریقۂ واردات سمجھ میں آگیا --- مختصر لفظوں میں وہ کچھ یوں ہے کہ آنجناب صحیح بخاری کی کوئی عبارت نقل کر کے اپنی طرف سے اس کا کوئی الٹا سیدھا مطلب نکال لیتے ہیں، اور پھر اسی غلط مطلب کے نشانے پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور صحیح بخاری کو رکھ کر رگڑ دیتے ہیں ---- تفصیل اس اجمال کی درج ذیل ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب ۵۸ یوں باندھا ہے:

"باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ فی البحر الی الخضر --- الخ!"

علامہ وحید الزمان نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر کے کنارے کنارے خضر کی تلاش میں جانا ۔"

مولانا اصلاحی صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر کی تلاش میں سمندر "میں" جانا!"

پھر اس "میں" کی رعایت سے فرماتے ہیں:

"اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا "میں" سفر کیا تھا۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ۔ اس لئے کہ اگر دریا کا سفر ہوتا تب تو اس میں کسی کے نقش قدم تلاش کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، جب کہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا خادم نقشِ قدم تلاش کرتے ہوئے واپس مڑے ..... قرآن کے بیان سے، صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر خشکی پر تھا!"

اس سے قبل اسی عبارت کے حوالہ سے اصلاحی صاحب یہ عندیہ دے چکے ہیں کہ:

"ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کا بیان جہاں موجود ہو، وہی صحیح ہے --- روایات کو اس

۱۔ قارئینِ کرام غور فرمائیں، اصلاحی صاحب نے "حدیث" کی بجائے "روایت" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور یہ خالص پرویزی حربہ ہے --- چنانچہ اب ان کے لئے اس پر نقد فرما کر اسے جھٹلا دینے میں کوئی چیز مانع نہیں، جیسا کہ آئندہ الفاظ سے ظاہر ہے!

۲۔ "اس کی کوئی بنیاد نہیں!" --- یہ الفاظ بہ ظاہر کس قدر معصوم ہیں، لیکن لاوا جو اس کی تہ میں کلبلا رہا ہے، اس کی ہلاکتوں کا اندازہ اہلِ فکر و نظر کے لئے چنداں دشوار نہیں --- مولانا کا کمال یہ ہے کہ الفاظ زیادہ سخت استعمال نہیں کرتے (مبادا قارئین چونک اٹھیں اور علمائے دین محاسبہ کے لئے مستعد ہو جائیں) تاہم ایک ماہرِ فن کی طرح ان سے کھیلتے ہوئے شگوفے چھوڑتے جاتے، شکوک و شبہات کے "موتی" بکھیرتے چلے جاتے اور پھر بالآخران کی قیمت کے طور پر قاری کا ایمان تک لوٹ کر ہمراہ لے جاتے ہیں --- کاش مولانا اپنی صلاحیتوں سے حدیثِ رسول ﷺ کی کوئی مثبت خدمت سرانجام دے سکتے!

ترجیح نہیں دی جا سکتی۔"

(تدبر لاہور ص ۴۱)[1]

قارئین توجہ فرمائیں ' اصلاحی صاحب کی اس ساری عبارت کی بنیاد "فی البحر" کا ترجمہ "سمندر میں" کرنے پر ہے ـــــ مقاصد جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں ' درج ذیل ہیں :

۱۔ امام بخاری کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ نقشِ قدم خشکی پر تلاش ہوتے ہیں ' دریا میں نہیں!

۲۔ جس امام بخاری کو اتنی سمجھ بھی نہیں ' اس کی صحیح بخاری پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے ؟

۳۔ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے ' لہذا غلط ہے ! ـــ چنانچہ صاف لکھ دیا ہے :

" ... کو اس (قرآن) پر ترجیح نہیں دی جا سکتی!

مولانا ان مقاصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں ' یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا ' فی الحال موقع کی مناسبت سے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

ٹرین میں سوار ایک مولانا اپنے ساتھیوں پر بڑے فصیح و بلیغ انداز میں رعب جھاڑ رہے تھے ' مخاطبین میں ایک پرائمری پاس جاٹ صاحب بھی تھے ـــــ ان کا جی چاہا کہ مولانا سے کہہ دیں حضرت آپ اتنے "اوکھے" کیوں ہو رہے ہیں ؟ ـــــ لیکن پھر یاد آیا کہ مولانا پڑھے لکھے آدمی ہیں ' الفاظ ان کے شایانِ شان ہونے چاہئیں ـــ تھوڑی دیر غور کیا اور پھر بول ہی اٹھے :

"مولانا ! آپ اس قدر دشوار کیوں ہو رہے ہیں ؟

مولانا اصلاحی صاحب بھی خواہ مخواہ دشوار ہو رہے ' اور ناحق "سیاپے" میں پڑے ہوئے ہیں ـــــ انہیں معلوم ہے کہ "فی" کا ترجمہ صرف "میں" ہی نہیں ہوتا ' بلکہ حرف "فی" بہ کثرت متعدد معنوں میں بھی مستعمل ہے ' جس کی تفصیل لغت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ـــــ خود قرآنِ مجید میں یہ حرف کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے ـــ مثلاً :

۱۔ ہم معذرت خواہ ہیں کہ اس شمارہ کا نمبر اس کا ٹائیٹل پیج ضائع ہوجانے کی وجہ سے نہیں دے سکتے۔

"وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ——!" (طٰهٰ: ۷۱)
میں کھجور کے تنوں "پر" سولی دینے کی بات ہو رہی ہے —— کھجور کے تنوں "میں" نہیں!

"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا —— الآیہ!" (المجادلة: ۱)
میں خاوند "کے بارے" جھگڑنا مراد ہے —— خاوند "میں" نہیں!

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖ —— الآیۃ!" (البقرۃ: ۲۵۸)
میں بھی رب "کے بارے" جھگڑنے کی بات ہو رہی ہے —— رب "میں" جھگڑنے کی نہیں!

"اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ —— الآیہ."

میں حرفِ "فی" سبب یا ذریعہ کے معنوں میں ہے —— کہ "شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے "سبب (یا ذریعے)" تمہارے درمیان عداوت اور رنجش ڈالے" —— شراب اور جوئے "میں" نہیں!

اب مولانا کو یا تو حرفِ "فی" کے بارے یہ تفصیل معلوم نہیں، اور بایں علم و دانش وہ امام بخاری اور صحیح بخاری کی غلطیاں نکالنے نکلے ہیں —— اور یا پھر وہ (تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے) عوام الناس میں مشہور "فی" کے معنی "میں" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اس بنیاد پر شکوک و شبہات کی عمارت تعمیر کر کے جہاں صحیح بخاری کی حدیث کو جھٹلانا چاہتے ہیں، وہاں خلقِ خدا کو بھی دھوکا دینا چاہ رہے ہیں—— لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر طرزِ استدلال یہی ہے جو مولانا نے اختیار فرمایا ہے، تو "علیٰ" کا معنی "پر" یا "اوپر" بھی عوام الناس میں مشہور و معروف ہے —— جب کہ قرآنِ مجید میں ہے:

"وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ —— الآیۃ!"

مولانا سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس آیت میں "علیٰ" کا معنی "اوپر" کر کے (العیاذ باللہ) رب کے اوپر کھڑے ہو کر دکھا دیں، ہم انہیں دریا میں نقشِ قدم تلاش کر کے دکھا دیں گے!

ہاں اگر "فی" اور "میں" تک ہی بات محدود رکھنی ضروری ہو تو مولانا کھجور کے تنوں میں داخل ہوکر، خلوند میں گھس کر اور شراب کے علاوہ جوئے میں ڈبکی لگا کر دکھا دیں تو ہم ان کے قاعدہ کلیہ کے بارے سنجیدگی سے سوچیں گے کہ "قرآن کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر خشکی پر تھا"۔۔۔ نیز "قرآن کا بیان جہاں موجود ہو، وہی صحیح ہے ۔۔۔۔ روایات کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی!"

مولانا! کیا واقعتاً، یہ خواہ مخواہ "دشوار" ہونے والی بات نہیں؟ ۔۔۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح قرآنِ مجید میں "علیٰ ربّہم" سے مراد "رب کے سامنے" کھڑا ہونا ہے ۔۔۔ نہ کہ "رب کے اوپر" ۔۔۔ بالکل اسی طرح صحیح بخاری میں "فی البحر" سے مراد "سمندر یا دریا کے کنارے کنارے" ہے نہ کہ "دریا میں"! ۔۔۔ جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے ترجمہ کیا ہے ۔۔۔ یا اس سے مراد "دریائی علاقہ میں" بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر آپ کو کسی ایسے علاقہ میں جانے کا اتفاق ہوا ہو، تو وہاں کے لوگوں کو اسے دریا ہی کہتے سنیں گے، خواہ وہاں پانی موجود نہ ہو ۔۔۔۔ ہمارے ہاں پنجابی میں اسے "کدھی" کہتے ہیں ۔۔۔ پھر دریا کا پانی چڑھ کر اتر بھی سکتا ہے، اس گیلی زمین پر سفر بھی کیا جا سکتا ہے، اور اس پر نقشِ قدم بھی خشک زمین کی نسبت زیادہ واضح اور پائیدار ہو سکتے ہیں ۔۔۔۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ خشک زمین پر بعض دفعہ نقشِ قدم ثبت ہی نہیں ہوتا (بالخصوص پہاڑی کے قریب، جیسا کہ آپ نے تدبر میں قرآنی الفاظ "صخرہ" کے حوالے سے "پہاڑی کے پاس" کے الفاظ لکھے ہیں) اور اگر ثبت ہو بھی جائے تو بڑی آسانی سے (مثلاً صرف تیز ہوا چلنے سے) مٹ جاتا ہے ۔۔۔۔ جب کہ گیلی زمین یا کیچڑ پر نشان، اس کے خشک ہونے کے بعد ہفتوں مہینوں تک باقی رہتا ہے ۔۔۔۔ ہاں اگر آپ "خشکی پر سفر" کی سند "پہاڑی کے پاس" سے لانا چاہتے ہوں، تو پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق کسے معلوم نہیں؟ ۔۔۔۔ بہرحال سمجھ نہیں آئی مولانا! کہ آپ نے کس برتے پر صحیح بخاری اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی نکالنے کی کوشش کی ہے؟ ۔۔۔۔ مثل مشہور ہے، "خدا گنجے کو ناخن نہ دے!" ۔۔۔۔ لیکن آپ کے ہاں مصیبت یہ ہے کہ گنجے کو ناخن مل چکے ہیں ۔۔۔۔ کاش آپ ان ناخنوں سے لوگوں کے دلوں سے قرآن و حدیث کی عقیدت کھرچنے کی بجائے، دینِ حقہ کے سلسلہ میں اہلِ باطل کی الجھائی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کا کام لے سکتے ۔۔۔۔ تب دنیا و عاقبت میں بھی آپ کا بھلا ہوتا!

رہی آپ کی یہ بات کہ "روایات کو قرآن پر ترجیح نہیں دی جا سکتی!" تو اس کے جواب

میں مختصراً اور بصد ادب و احترام یہی عرض کریں گے کہ یہ قرآن بھی ہمیں روایت کے ذریعہ ہی ملا ہے' اور اس بارے رسول اللہ ﷺ کی خبر ہی سچی ہے ---- اس سلسلہ میں آپ پر یا آپ کے والدِ ماجد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا!

مولانا مزید فرماتے ہیں:

دوسری قابلِ غور بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب یہ قول ہے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسی بے محل بات فرماتے کیوں اور اگر انہوں نے فرمائی تو یہ غلط بات تو نہیں فرمائی - یہ امرِ واقعہ ہے کہ رسول سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری قوم کے سامنے اس حقیقت کا آشکارا طور پر اعلان کرتا ہے۔ یہ بات ہر رسول نے اپنی قوم سے کہی ہے کہ "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ!" (میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)!"

قارئینِ کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ ترجمۃ الباب کے بعد اب مولانا نے یہ نظرِ کرم' اس کے تحت دی گئی صحیح بخاری کی حدیث کے درج ذیل الفاظ پر فرمائی ہے:

"بینما موسیٰ فی ملأ من بنی اسرائیل اذ جاءہ رجل فقال هل تعلم احداً اعلم منك؟ قال موسیٰ: لا!"

"موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سرداروں کی جماعت میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہیں!"

مولانا کا مقصود یہ ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث کے یہ الفاظ غلط ہیں (خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں) ---- ہم پوچھتے ہیں کہ مولانا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس قول کے منسوب کرنے میں کیا غلطی نظر آئی ہے؟ ---- قرآنِ مجید تو اس بارے بالکل خاموش ہے' لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے ---- ظاہر ہے مولانا خود یہ فتویٰ دے رہے ہیں ---- چنانچہ جب صحیح بخاری پر بھی اس سلسلے میں اعتماد نہیں کیا گیا' تو مولانا کو کون سا دم چھلا لگا ہے کہ ان پر اعتماد کر لیا جائے؟ ---- قرآنِ مجید یہ بیان فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر کے پاس حصولِ علم کے لئے گئے تھے' آخر اس کی کوئی علت' بیک گراؤنڈ یا پس منظر تو ہوگا؟ ---- یہ درست کہ رسول سب سے بڑا عالم ہوتا ہے

اور ہر رسول نے اپنی قوم سے کہا ہے کہ "انی اعلم مالا تعلمون!" لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی نبی اور رسول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کسی دوسرے کے پاس حصولِ علم کے لئے نہیں بھیجا گیا' آخر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟

مولانا بھول رہے ہیں' رسل اللہ علیہم السلام میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں' لیکن قرآنِ مجید میں آپ ﷺ کے متعلق بھی دو تین واقعات ایسے مذکور ہیں کہ اللہ کی مرضی سے ہٹ کر کوئی بات ہوئی تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح کردی گئی ـــــ مثلاً اسارئ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا' شہد کو اپنے اوپر حرام کرلینا' اور سردارانِ قریش کی موجودگی میں نابینا صحابی کے مسئلہ پوچھنے پر چہرہ اقدس پر ناگواری کے تاثرات کا آنا ـــــ چنانچہ وحی الٰہی کے ذریعہ ان باتوں کا نوٹس لیا گیا ـــــ بالکل اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟" اگر "لا" (نہیں) نکل گیا' اور یہ بات اللہ رب العزت کو پسند نہیں آئی' پھر اسی بناء پر انہیں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا تو اس میں اچنبھے والی بات کون سی ہے؟ اور اس بناء پر صحیح بخاری کی حدیث غلط کیسے ہوگئی؟

مولانا نے اس مقام پر بات بنانے کی بڑی کوشش کی ہے' لیکن بن نہیں سکی ـــــ حتیٰ کہ حدیثِ رسول ﷺ کو جھٹلاتے جھٹلاتے قرآنِ مجید بھی ان کی نظروں سے حو ہو یا ہے ـــــ فرماتے ہیں:

"رہے حضرت خضر تو ان کے بارے میں یہی طے نہیں کہ وہ کیا تھے' وہ فرشتہ تھے یا نبی' قطب تھے یا ابدال (پھر اپنا موقف پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں) قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت خضر کے ہر کام پر گرفت کی اور ان کی جان اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک حضرت خضر نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنے رب کے حکم سے کیا ہے (یہاں پھر چند سطور حضرت خضر کی شخصیت کے بارے لکھ کر فرمایا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس حصولِ تربیت کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حکم سے اس کے ارادوں کے چند اسرار بے نقاب کئے جو تربیتِ صبر و رضا کے پہلو سے نہایت اہم تھے!"

مولانا کی اس عبارت پر ہمارا پہلا اعتراض تو وہی ہے' جو اوپر ذکر ہوا کہ حضرت خضر جو کچھ بھی ہوں' آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی دوسرے نبی (علیہ السلام) کے ساتھ ایسا واقعہ کیوں پیش نہیں آیا کہ وہ حصولِ علم کے لئے کسی دوسری شخصیت کے پاس باقاعدہ سفر کر کے گئے ہوں؟ بلکہ اس کے برعکس ہوتا یہ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاں موجود ہوتے تھے' وہیں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوتا تھا۔۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ خاص کیوں ہے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی ایک بھی بات ماننے پر تیار نہ ہوئے تو وہ وہاں لینے کیا گئے تھے ۔۔۔۔ کیا علم اسی طرح حاصل کیا جاتا ہے؟

تیسرا اعتراض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے پاس حصولِ تربیت کے لئے گئے تھے یا ان پر سپروائزر بن کر ان سے ہر کام پر گرفت کرنے اور ان پر دھونس جمانے؟

یہاں مولانا نے قرآنِ مجید کو بھی شہ مات دے دی ہے ۔۔۔ قرآن مجید تو یہ بتلاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے حصولِ علم کی باقاعدہ درخواست کرتے ہیں:

"قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"

(الکہف: ٦٦)

"موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا' جو بھلائی آپ سکھائے گئے ہیں' کیا اس میں سے کچھ باتیں سیکھنے کے لئے میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟"

حضرت خضر علیہ السلام عذر کرتے ہیں:

"اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا" (الکہف: ٦٧)

"آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے!"

حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کا یقین دلاتے ہیں اور کسی بھی کام میں نافرمانی نہ کرنے کا عہد کرتے ہیں:

"قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا"

(الکہف: ٦٩)

حضرت خضر شرط پیش کرتے ہیں :

" فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا " (الکہف ...)

"اگر میرے ساتھ رہنا چاہیں تو مجھ سے کوئی بات اس وقت تک نہ پوچھیں جب تک میں خود اس کا ذکر آپ سے نہ کروں!"

ظاہر ہے یہ شرط منظور ہوئی لیکن حضرت موسٰی علیہ السلام پہلی بات پر ہی صبر نہ کر سکے ---- اس پر حضرت خضر نے کہا، میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے ؟ ---- جواباً حضرت موسٰی علیہ السلام معذرت کرتے ہیں۔

" لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا " (الکہف : ۷۳)

"جو بھول مجھ سے ہوئی، اس پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے کام میں مجھے مشکل میں نہ ڈالیے!"

لیکن حضرت موسٰی علیہ السلام پھر بھی نہ رہ سکے تو حضرت خضر علیہ السلام نے دوبارہ انہیں ان کا عہد یاد دلایا ---- حضرت موسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں اس دفعہ پھر جانے دیجئے! دوبارہ اگر ایسا ہوا تو بلا شبہ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں :

" اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا " (الکہف : ۷۶)

فرمایا "اگر اس کے بعد بھی میں کوئی بات آپ سے پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا، بلا شبہ میری طرف سے آپ کا عذر پورا ہو چکا!"

قارئین کرام! ---- آپ نے قرآن مجید کا بیان کردہ واقعہ ملاحظہ فرمایا ؟ ---- یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام گویا بڑے موڈ میں ہیں اور حضرت موسٰی علیہ السلام الٹا ان کی منت سماجت کررہے ہیں ---- لیکن مولانا فرماتے ہیں :

"حضرت موسٰی علیہ السلام خضر کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت خضر کے ہر کام پر گرفت کی اور اس وقت تک ان کی جان نہ چھوڑی ... الخ!"

مولانا! ــــــ قرآنِ مجید اس واقعہ کو کس انداز سے پیش کررہا ہے' اور آپ کس انداز سے؟ ــــــ ہمیں کہنے دیجئے کہ:

۱۔ اگر آپ نے قرآنِ مجید کا لحاظ نہیں فرمایا' تو صحیح بخاری سے ہمدردی کی آپ سے کیا توقع ہے؟

۲۔ آپ نے مذکورہ سطور سے جو مفہوم' جس غرض سے اخذ کرنا چاہا ہے' اس میں آپ بری طرح ناکام رہے ہیں ــــــ لیکن قرآنِ مجید نے صحیح بخاری کی تائید میں واضح اشارہ دے دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر مذکورہ تمام تر کٹھنائیاں برداشت کرنا پڑیں' تو صرف اس لئے کہ ان کے منہ سے ایک بات ایسی نکل گئی تھی جو رضا الٰہی کے مطابق نہ تھی ــــــ لہٰذا صحیح بخاری کا بیان ہی درست ہے اور قرآنِ مجید کے مطابق! ــــــ جب کہ آپ کی بات بالکل غلط ہے ــــــ طرفہ یہ کہ آپ نے ان میں سے ایک (صحیح بخاری) کو واضح طور پر جھٹلا دیا ہے' جیسا کہ آپ کے آئندہ الفاظ سے ظاہر ہے' اور دوسری (قرآنِ مجید) سے کھیلنا چاہ رہے ہیں ــــــ آہ!

"اِتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا"!

ــــــ اور ہمارا چوتھا اعتراض یہ ہے مولانا! کہ "اگر بے نقاب ہونے والے یہ چند اسرار تربیتِ صبر و رضا کے پہلو سے نہایت اہم تھے' تو یہ تربیت تو (اس واقعہ میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آخر وقت تک نہ مل سکی ــــــ خود قرآنِ مجید یہ بیان فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر ہی تو نہ کر سکے' اور یہی بات حضرت خضر علیہ السلام سے ان کی علیحدگی پر منتج ہوئی ــــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا" (الکہف: ۷۸)

"(حضرت خضر علیہ السلام نے) کہا' اب مجھ میں اور آپ میں علیحدگی! اب میں ان باتوں کا بھید آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں' جن پر آپ صبر نہ کر سکے!"

اور یہی بات صحیح بخاری میں اسی واقعہ کے حوالہ سے دوسری جگہ حدیث نمبر ۱۲۲ کے تحت یوں مذکور ہے:

"قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ

حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا!"

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! ہم تو چاہتے تھے ' کاش موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو ان دونوں (موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام) کے اور بھی حالات ہم سے بیان کئے جاتے!"

یہاں بھی مولانا! قرآنِ مجید اور صحیح بخاری دونوں متفق ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا 'لیکن آپ موسیٰ علیہ السلام کو صبر ہی سکھانے نکلے ہیں! --- کیوں نہ ہو' آپ کے سر پر تو صحیح بخاری کو جھٹلانے کا بھوت سوار تھا' یہ ہوش کسے باقی رہتا کہ خود قرآنِ مجید بھی اس کی زد میں آکر گول ہو رہا ہے[1]۔ چنانچہ بالآخر بلی تھیلے سے باہر آہی گئی ہے --- مولانا نے نتیجہ نکالا ہے:

"میرے نزدیک یہ روایت از قبیل اسرائیلیات ہے!"

حالانکہ ہم نے ثابت کردیا مولانا! کہ صحیح بخاری کی حدیث ' بشمول باب' بالکل درست اور قرآنِ مجید کے عین مطابق ہے ---- ہاں آپ نے اس سے اسرائیلیوں والا سلوک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی --- چنانچہ آپ کی اس پر تمام تر جرح لغو' بیہودہ اور باطل ہے --- آپ سے درخواست ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ پر تبصرہ کرتے وقت ذرا ہوش و حواس سے بیگانہ نہ ہوا کریں' آپ لاکھ عالمِ دین سہی' لیکن ہم قرآن و حدیث پر آپ کو حَکَم تسلیم کرنے سے انکاری ہیں ---- اپنے الفاظ "میرے نزدیک" پر غور فرمائیں ' نہ جانے آپ کو کس نے اس خوش فہمی میں مبتلا کردیا ہے کہ دین میں اتھارٹی پوری امت میں سے تنہا آپ ہی ہیں؟

(جاری ہے)

۱۔ سچ ہے ' منکرِ حدیث منکرِ قرآن ضرور ہوتا ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں --- آپ کی ادنیٰ سی توجہ ہمیں غیر ضروری محنت اور تضیعِ وقت سے بچائے گی ---
--- شکریہ!
(مینجر حرمین)